شریعت، طریقت اور اجتماعیت پر مبنی دینی شعور کا نقیب

ماہنامہ

رحیمیہ لاہور

بانی: حضرت اقدس مولانا **شاہ سعید احمد** رائے پوریؒ

قدس اللّٰہُ سِرَّہُ السّعید مسند نشین رابع خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

مدیرِ اعلیٰ: حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

جانشین حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ

مجلسِ ادارت

سرپرست: ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن

صدر: مفتی عبدالمتین نعمانی

مدیر: محمد عباس شاد

اپریل **2016**ء / جمادی الاخریٰ، رجب **1437**ھ جلد نمبر **8**، شمارہ نمبر **4** – قیمت: **20** روپے سالانہ ممبرشپ: **200** روپے – تین سالہ ممبرشپ: **500** روپے

فہرست مضامین

- تعلق مع اللہ ضروری ہے
- انسانی فطرت
- توہین، گستاخی اور لاشوں کی سیاست
- نظامِ کائنات میں ''عالَمِ مثال'' کا وجود
- مقاصدِ زندگی کے تعین میں تربیتی نظام کا کردار
- اَعداد و شمار میں ترقی
- ہنری کسنجر کا دورۂ ماسکو
- مجالس ؛ افاداتِ علم وحکمت
- محبتِ رسولؐ کے بغیر ایمان کامل نہیں ہوتا
- محبت کے تین دائرے
- محبتِ رسولؐ کا تقاضا؛ توہین رسالت کے نظام کا خاتمہ
- محبتِ عقلی کے تحت ظلم کے نظام کو توڑنا ہے
- علم آدمی کا زیور ہے
- عالمگیرؒ کی رعایا پروری اور غیر مسلموں سے حسن سلوک
- مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ
- محبتِ نبویؐ میں نفسانیت
- دینی مسائل

ارشادِ گرامی

حضرت اقدس مولانا **شاہ عبدالقادر** رائے پوری قدس سرہ
مسند نشینِ ثانی
خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

فرمایا کہ: ''بعض باتیں سہارن پور سے چلتی ہیں اور روایت در روایت ہوتے ہوتے رائے پور پہنچنے تک کچھ کی کچھ ہوجاتی ہیں۔

ایک دفعہ رائے پور ایک صاحب حضرتِ عالی (شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ: فلاں سکھ، جس نے حضورؐ کی توہین کی تھی، کی صورت مسخ ہوگئی ہے اور وہ سور بن گیا ہے۔ میں اس کا فوٹو دیکھ کر آرہا ہوں۔ حضرت عالیؒ نے تحقیق کے لیے سہارن پور میں ایک آدمی کو بھیجا۔ وہ گئے۔ لوگوں سے پوچھا۔ لوگوں نے کہا: ہاں! بے شک ہے۔ آخر میں نے خود جا کر وہ فوٹو دیکھا۔ اس کے اوپر کچھ انگریزی حروف لکھے تھے۔ میں نے کسی سے پوچھا کہ یہ کیا لکھا ہے؟ اُس نے کہا: ''بیلجیئم، ہالینڈ وغیرہ''۔ پھر معلوم ہوا کہ واقعہ سراسر غلط تھا۔

(مجلس: 17 / جمادی الاولیٰ 1376ھ / 1956ء۔ مقام: لاہور)

(مجالس حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ)

اِدارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) رجسٹرڈ لاہور

رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور
0092-42-36307714,36369089-www.rahimia.org
Email: info@rahimia.org

رحیمیہ کا انگلش ایڈیشن ہماری ویب سائٹ پر پڑھا جاسکتا ہے۔

رقومات کی ترسیل بنام ''ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ ٹرسٹ لاہور'' اکاؤنٹ نمبر **0010030341820010** **الائیڈ بینک** مزنگ چونگی برانچ لاہور، برانچ کوڈ **0533**

درسِ قرآن

تفسیر: امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ

تعلق مع اللہ ضروری ہے

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ﴿8:73﴾

(اور اپنے رب کا نام یاد کر اور سب سے پوری طرح کٹ کر صرف اسی کی طرف ہو جا۔)

''اسم'' سے مراد ''تجلی الٰہی'' ہے۔ امام الائمہ امام ولی اللہ دہلویؒ کی حکمت میں ''اسم الٰہی'' (ربّ کے نام) سے مراد ''تجلّی الٰہی'' ہوتی ہے۔ اسم الٰہی کے یاد رکھنے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا فراموش شدہ تعلق یاد کرو۔ اسے ''اقتراب'' (اللہ کا قرب حاصل کرنا) بھی کہتے ہیں۔

انسان کا تعلق تجلّی الٰہی سے کیوں ضروری ہے؟

قرآنی تحریک (The Quranic Movement) کو حقیقی معنوں میں جامع اور صحیح معنوں میں انقلابی بنانے کے لیے اور اسے نوعِ انسان کی مادی یعنی اقتصادی اور عقلی (یا بہ الفاظِ دیگر بہیمی اور مَلَکی) ضرورتوں کو پورا کرنے والی بنانے کے لیے اس تحریک کا تعلق تجلّی الٰہی سے قائم کرنا ضروری ہے۔ کیوں کہ انسان اپنی ساخت کے اعتبار سے بہیمیت (حیوانیت) اور ملکیت (عقلیت) کا مجموعہ ہے۔ اور ملکیت کا تعلق براہِ راست اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ جب یہ تجلی الٰہی انسانی ذہن میں جم جائے گی تو ہر دم اس کی یاد رہے گی اور وہ زبانی ذکر بھی کرے گا۔ یہ زبانی ذکر حقیقت میں اس اندرونی یاد کا عنوان ہوگا۔

قرآن کا ''نظامِ نو'':

قرآن حکیم جو ''نظامِ نو'' پیدا کرنا چاہتا ہے اس کا مقصد کیا ہے؟ وہ یہ بات انسانوں کے ذہن نشین کرانی چاہتا ہے کہ انسانوں پر حکومت صرف اللہ کی ہو سکتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں وہ قیصریت اور کسرویت یعنی شہنشاہیت (Imperialism)، چند اُمرا کی حکومت (Oligarchy) کو توڑ کر اُن کی جگہ ایسی حکومت (State) پیدا کرنی چاہتا ہے، جس کا مرکز اور محور قرآن ہی کا قانونِ الٰہی ہو۔ اور اس (قرآن حکیم) کے سوا وہ کسی اَور قانون کی اتباع کو برداشت نہیں کرتا۔ کیوں کہ شخصی، عائلی، قبائلی، شعوبی اور قومی قانون تک تو شاید عقل مند انسان وضع کر سکیں، لیکن بین الاقوامی قانون اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں دے سکتا۔ کیوں کہ وہی تمام اقوام کی ضرورتوں اور ذہنیتوں کو جانتا ہے، جن کا جاننا کسی ایک انسان کے بس میں نہیں ہے اور نہ کوئی جماعت یہ کام کر سکتی ہے۔

پس اس قرآنی بین الاقوامی قانون کا نوعِ انسان میں قیام (رسوخ پیدا ہونا) ضروری ہے، تاکہ نوعِ انسان اپنی طبعی رفتار پر ترقی کرتی رہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ تجلّی الٰہی سے تعلق قائم کرنا ہر ایک فردِ انسانی کے لیے ذاتی اور طبعی ضرورت ہے۔ اور کوئی اجتماعِ انسانی جس میں اس ضرورت کو نظر انداز کر دیا گیا ہو، افراد کی ترقی کا کفیل نہیں ہو سکتا۔ (قرآنی شعورِ انقلاب۔ ص:97-596)

درسِ حدیث

از مولانا ڈاکٹر محمد ناصر، جھنگ

انسانی فطرت

عَنْ عَائِشَةَؓ، قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ: ''خُلِقَتِ الْمَلٰئِكَةُ مِنْ نُّوْرٍ، وَ خُلِقَ الْجَانُّ مِنْ مَّارِجٍ مِنْ نَّارٍ، و خُلِقَ آدمُ مِمَّا وُصِفَ لَكُمْ.'' (صحیح مسلم)

(حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''فرشتے نور سے بنائے گئے ہیں اور جن آگ کی لُو سے۔ اور حضرت آدمؑ اس سے، جو تمھارے لیے (قرآن میں) بیان کیا گیا ہے (یعنی مٹی سے)۔

اس حدیث میں نبی ﷺ نے فرشتوں، جنات اور انسانوں کے مادۂ تخلیق کا تذکرہ کیا ہے، تاکہ ہر ایک کی خصوصیات اور امتیازات کو سمجھا جا سکے۔ حدیث کی رُو سے فرشتے نورانی مخلوق ہیں۔ ان میں شر کا کوئی پہلو نہیں ہے۔ اس لیے وہ ہر وقت حکم الٰہی کے سامنے سربسجود اور عبادت میں مصروف رہتے ہیں۔ جنات چوں کہ دھوئیں کے ساتھ مخلوط آگ سے تخلیق ہوئے، اس لیے ان کی سرشت میں شرارت کا پہلو غالب ہے۔

جب کہ انسان کی تخلیق مٹی سے کی گئی ہے، اس لیے اس کے مزاج میں کبر و غرور کی بجائے اِنکساری ہے۔ گویا انسان فطری طور پر باوقار عاجزی کی طرف مائل ہے۔ اس لیے اس میں تکبر اور سرکشی کا پایا جانا فطری اور جبلی نہیں، بلکہ ماحول کے اَثرات کی وجہ سے ہوتا ہے۔ چناں چہ حضورؐ کے ایک قول کی روشنی میں: ہر پیدا ہونے والا انسان فطرتِ اسلام (تعلق مع اللہ اور اعلیٰ انسانی خوبیوں) پر پیدا کیا جاتا ہے۔ اس کے اِردگرد کا ماحول اس پر اَثرات ڈال کر اس کے رویّے بدل دیتا ہے۔

اس لیے انسان کو ہمیشہ اپنی فطرت پیشِ نظر رکھتے ہوئے دوسرے انسانوں کے ساتھ برابری اور حسن سلوک سے پیش آنا چاہیے۔ اگر اس کے ہم جنسوں کے درمیان فرق و امتیاز برتا جاتا ہے تو اس کی اپنی فطرت کا تقاضا ہے کہ وہ اس غیر فطری عمل کے خلاف اُٹھ کھڑا ہو۔ قرآن نے فرعون، قارون اور حضورؐ کے دور کے سرکشوں کا تذکرہ کر کے ان سے بے زاری کا اِظہار اور ان کے خلاف جماعتِ صحابہؓ کے کردار کو تحسین کی نگاہ سے اسی لیے پیش کیا ہے کہ یہ سرکش طبقاتی، غیر منصفانہ اور غیر صحت مندانہ طرزِ عمل اپنائے ہوئے تھے، جب کہ ان کے مقابل غیور لوگ، فطرت انسانیہ کے نمائندے تھے۔ یہ فطرت پسند لوگ اللہ کو اتنے پسند آئے کہ ان کے طرزِ عمل کو انسانیت کے لیے معیارِ عمل بنا دیا۔ جس سے یہ بات اُجاگر ہوتی ہے کہ انسان کی انسانیت اور اس کی خدا پرستی کا اِظہار انسانی ہمدردی، اُلفت اور ان کا غم کھانے میں نمایاں ہوتی ہے۔ اس کے برعکس انسان اپنی فطرت ہی سے دور ہو جاتا ہے، چہ جائے کہ وہ کامل شریعت کا پابند اور خدا کا محبوب بنے۔ حاصل یہ کہ انسان اپنی اس جبلت پر اگر قائم رہے تو خدا تک اس کی رسائی کا راستہ صاف اور آسان ہو جاتا ہے۔ بہ صورتِ دیگر بے شمار مشکلات میں اُلجھ کر فطرت اور اللہ سے دور ہو جاتا ہے۔

www.rahimia.org

اداریہ

توہین، گستاخی اور لاشوں کی سیاست

حادثات اور غیر معمولی واقعات قوموں اور معاشروں کی اجتماعی زندگی کے لیے وہ پیرامیٹرز ہوتے ہیں، جن کے ذریعے قوموں اور معاشروں کا ردِعمل اور رویّے ماپے جاسکتے ہیں۔ دنیا بھر میں اچانک حادثات، غیر معمولی واقعات اور قدرتی آفات کے ذریعے معمول کی زندگی متاثر ہوتی رہتی ہے، لیکن اس پر انسانی ردِعمل ہر قوم کے سماجی نظام کی تاریخی و ادارتی حالت اور سیاسی حکمتِ عملیوں کے تناظر میں ہی سامنے آتا ہے۔ اس ردِعمل اور اجتماعی رویّے سے کسی بھی قوم کی اجتماعی نفسیات، جذبات اور ذہنی رویوں کا بھی بہ خوبی مطالعہ کیا جاسکتا ہے کہ قوم بہ حیثیتِ قوم کس معیار اور مقام پر کھڑی ہے۔ کیوں کہ ایسے موقعوں پر قوم کی مذہبی، سیاسی لیڈرشپ، حکمران اور ہر سطح کے عوام اپنے خیالات اور بیانیے کو پیش کر رہے ہوتے ہیں۔ ایسے مواقع اہلِ فکر کے لیے بہت اہم ہوتے ہیں کہ یہ واقعات قوم و ملک کے لیے ایکسرے فوٹو کا کام کر رہے ہوتے ہیں۔ کیوں کہ ان جذبات و خیالات میں قوم کے اجتماعی وجود کے جسمانی پوسٹ کے ساتھ اس کی ہڈی پسلی بھی نظر آرہی ہوتی ہے کہ ان کی حالت کیا ہے۔

آج کل وطنِ عزیز بھی کچھ ایسی ہی صورتِ حال سے دوچار ہے۔ جب سے ایک عدالتی حکم نامے کے تحت سابق گورنر کے قتل کے مقدمے میں ماخوذ قیدی کو سزائے موت ہوئی ہے، ہمارے ہاں کئی طرح کی بحثیں چھڑ گئی ہیں اور ہر طبقۂ خیال اپنے اپنے بیانیے کے ساتھ مورچے لگائے بیٹھا ہے۔ کہیں تو ہجوم کی کثرت کو حق کا پیمانہ قرار دیتے ہوئے امام احمد بن حنبلؒ کے قول کو کہ ''ہمارے جنازے فیصلہ کریں گے'' بہ طورِ سند پیش کیا جارہا ہے اور کہیں حضرت عثمانؓ کے مختصر جنازے کو دلیل ٹھہرایا جارہا ہے۔ حال آں کہ کسی بزرگ کی گفتگو اور قول کا وقت، جگہ اور کردار بدلنے سے اس کا سیاق و سباق بھی بدل جاتا ہے۔ بعض اوقات باطل قوتیں اہلِ حق کا استعارہ استعمال کر کے لوگوں کو گمراہ کر رہی ہوتی ہیں۔ معاشرہ تو پہلے ہی کئی دہائیوں سے سینکڑوں تقسیموں کا شکار ہے اور ہر فرقہ اور مکتبِ خیال دوسرے کے سچ کو بھی اپنی اپنی کتاب کے معیارِ حق پر پرکھتا ہے۔ جیسے مشہور ہے کہ کچھ بلیاں بڑے خشوع و خضوع کے ساتھ آسمان سے چھیچھڑوں کی بارش کی دعا کر رہی تھیں اور پاس سے گزرنے والے کتے نے کہا: یہ بلیاں کتنی سادہ، احمق اور جاہل ہیں کہ آسمان سے چھیچھڑوں کی بارش مانگ رہی ہیں، حال آں کہ تمام کتابوں میں لکھا ہے کہ آسمان سے ہڈیوں کی بارش ہوتی ہے، چھیچھڑوں کی نہیں۔ ہم ابدی سچائیوں کے بجائے اپنے اپنے سچ پر کھڑے گرد و پیش کے حقائق کو جھٹلا رہے ہیں۔

تقسیم کے دوران فسادات کے واقعات بیان کرتے ایک صاحب نے لکھا ہے کہ: ایک بوڑھا شخص اپنے بیٹے کو دفنانے کے بعد آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر اپنے اللہ کے حضور دعا مانگ رہا تھا۔ عین اسی وقت جب اس کی زبان پر اللہ کا نام تھا، ایک دوسرے مذہب کا آدمی اپنے مذہبی نعرے میں اللہ ہی کا نام لے کر اس پر حملہ آور ہوتا ہے اور اسے قتل کر دیتا ہے۔

یا اللہ! انسان کو کیا ہو گیا! یہ تیرا ہی نام لے کر دوسرے انسان پر حملہ آور ہے! حال آں کہ تُو تو دونوں کا ربّ ہے، لیکن یہ تیرے ہی نام سے ایک دوسرے کی تباہی کے درپے ہیں۔ اور اب تو بات کہیں آگے نکل چکی کہ ایک ہی نبیؐ کی امت اسی نبیؐ کے نام پر ایک دوسرے پر حملہ آور ہے، جو سب انسانوں کے لیے مجسمہ رحمت بن کر آئے تھے۔ اس تباہی اور خون ریزی پر فخر ایسا کہ نئی نسل کو مذہب کے نام پر قتل و غارت گری کی ترغیب مل رہی ہے۔

ایک خاص مذہبی فرقے کے ہاں ایک شہرِ مقدس قائم کیا گیا تھا، جسے دیکھنے کے ایک مشتاق نے کئی ماہ و سال کے سفر کے بعد اسے ڈھونڈ نکالا اور اس شہر میں جب داخل ہوا تو دیکھا کہ ہر بالغ مرد و عورت ایک آنکھ اور بازو سے محروم ہے۔ پوچھنے پر اہلِ شہر نے بتایا کہ اس شہر کے مقدس ہونے کی وجہ ہی یہ ہے کہ جس کے خیال میں اس سے کوئی گناہ سرزد ہو گیا ہو، وہ مقدس قربان گاہ پر جا کر اپنا ہاتھ کاٹ دیتا اور آنکھ نکال لیتا ہے۔ جو بچے ابھی سن شعور کو نہیں پہنچے اور کتاب نہیں پڑھ سکتے، صرف ان کے بازو اور آنکھیں صحیح و سلامت ہیں۔ اور اہلِ شہر اپنے تئیں انھیں بھی مقدس سمجھتے تھے اور وہ اس پر خوش تھے کہ وہ خدائی فرمان اور کتابِ الٰہی کے مطابق زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اور وہ اپنے کٹے ہوئے اعضا پر فخر کرتے تھے۔

گزشتہ دنوں ایک خبر نے میڈیا کی خوب توجہ حاصل کی، جس میں ایک نوجوان بچے نے ایک مذہبی عالم کی تقریر سے متاثر ہو کر اپنے ہاتھ کا پنجہ کاٹ لیا تھا کہ وہ اجتماعِ عام میں ایک غلط بات کی تائید پر اُٹھ گیا تھا۔ اس لیے اسے اپنے جسم سے الگ کر کے جسم کو پاک کر لیا گیا تھا۔ ہماری دینی رہنمائی کون سے طبقے کر رہے ہیں؟ جن کا فکر انسانی وجود کو خود اپنے ہی ہاتھوں سے تباہی کے گھاٹ اُتارنے کے درپے ہے اور اس پر اطمنان بھی ایسا کہ اس میں خدا اور رسولِ خدا ﷺ کی خوشنودی ڈھونڈی جارہی ہے اور مرنے مارنے والوں کو مقدس ٹھہرایا جارہا ہے اور اس طرزِ عمل کو خدائی فرمان اور کتابِ الٰہی کے مطابق قرار دیا جارہا ہے۔

المیہ یہ ہے کہ ہماری سیاست آج بھی انسانی خون کی پیاسی ہے۔ عوام کے اوپر مسلط قیادت آج بھی عوامی مجمعوں کو لاشوں میں بدلنے کے لیے بے تاب رہتی ہے۔ یہ ہمیشہ کسی ایسے واقعے کی تلاش میں رہتے ہیں، جس پر اگلے چند سال سیاست کی جاسکے۔ اس لیے کوئی توہین، گستاخی اور انسانی قتل ان کی سیاست کو تر و تازہ، مفاد کو زندہ اور قیادت کو تابندہ بنا دیتا ہے۔ لہٰذا یہ قیادت لاشوں کی تلاش میں رہتی ہے، تاکہ ان کی سیاست زندہ اور قیادت مسلمہ رہے۔ جو سیاست حقیقی نصب العین سے عاری ہو، وہ الزامات کی خوگر اور حادثات کی متلاشی رہتی ہے۔ ہماری قومی زندگی میں توہین اور گستاخی کے الزام کا بھی اب سراغ لگایا جانا چاہیے کہ یہ کس راستے سے ہمارے قومی مزاج کا حصہ بنا کہ جہاں کسی کو دبانا ہو، اس میں مذہب کے مقدس نام کو اپنی ذاتی اَغراض کے لیے استعمال کر لیا جائے۔

چند سال قبل پاکستان کے ایک مؤقر اخبار میں بیرونِ ملک قیام پذیر پنجاب یونیورسٹی کے سابق سٹوڈنٹ رہنما جو اَب تائب ہو چکے ہیں، کا مضمون چھپا تھا۔ جس میں انھوں نے اپنے ہی ساتھی کو قتل کر کے اس کی لاش کے ساتھ کئی روز تک احتجاج کیا تھا، کے واقعے کو بیان کیا تھا۔ ماہر القادری اپنی کتاب ''یادِ رفتگاں'' میں لکھتے ہیں کہ: دورانِ تعلیم ان کا ہاسٹل انچارج ایک ہندو تھا۔ اس نے کمروں میں رہائش پذیر طلبا کی رہائش میں ہماری منشا کے خلاف ردّ و بدل کرنا چاہا اور وہ ہماری کوئی بات ماننے کو تیار نہ تھا تو ہم نے اس کے خلاف یہ کہہ کر ہڑتال کروادی کہ کمرے میں باجماعت نماز پڑھنے پر ہمارے کمرے تبدیل کیے جارہے ہیں۔ انچارج پسپا ہو گیا اور ہم فتح یاب۔ عبدالسلام خورشید اپنی آپ بیتی ''رَو میں ہے رخشِ عمر'' میں لکھتے ہیں: کانگریسی مسلمان طلبا کے ساتھ تصادم میں جب سول لائن اسلامیہ کالج میں ہم نے ہڑتال کروانا چاہی تو پرنسپل کسی صورت رضامند نہ ہوئے تو ہم نے اپنے طلبا کے ساتھ مل کر شیشے توڑے اور کہا: کل مخالف طلبا کے جلسے میں ''توہین قرآن'' ہوئی ہے۔ پرنسپل فوری پسپا ہو گئے اور ہم ہڑتال کروانے میں کامیاب ٹھہرے۔ یاد رہے ماہر القادری کا تعلق ''جماعتِ اسلامی'' اور عبدالسلام خورشید کا تعلق ''مسلم لیگ'' سے تھا۔ سوچیے اور غور کیجیے!!

(مدیر)

افکارِ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ

نظامِ کائنات میں ''عالَمِ مِثال'' کا وجود

مترجم: مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

{حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ برعظیم پاک و ہند کی عظیم ترین شخصیت ہیں۔ انھوں نے اٹھارہویں صدی عیسوی میں انقلابی افکار اور تعلیمات انسانیت کے سامنے پیش کیے ہیں۔ انھوں نے اپنی کتابوں میں بلند پایہ افکارِ عالیہ قلم بند کیے۔ یوں دوسرے ہجری ہزارے میں دین حق کی سچی تعلیمات پر مبنی اللہ کی حجت و برہان کو بڑے واضح دلائل کے ساتھ بیان فرمایا۔ اُن کے بیان فرمودہ افکارِ عالیہ آج بھی اپنے اندر تازگی رکھتے ہیں۔ یہ افکارِ عالیہ نئی سیاسی، سماجی اور معاشی تشکیل کے لیے بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ نیز شریعت و طریقت کی رہنمائی پر مبنی جامع تعلیمات پر مبنی ہیں۔ مترجم}

حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کائنات کے نظام میں تین عالم گیر حقائق (ابداع، خلق اور تدبیر) کے بیان کے بعد چوتھی حقیقت' تجلیات پر مبنی ''عالَمِ مثال'' (super material) کا وجود بیان کرتے ہوئے ''حُجّة الله البالغه'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''جاننا چاہیے کہ بڑی کثرت سے احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اس کائنات میں ایک ایسا غیر عُنصری (مادی) عالم وجود رکھتا ہے کہ جس میں (ارضی وجود رکھنے والی) اشیا کے معانی، اپنی صفاتی مناسبت کے مطابق مثالی اجسام رکھتے ہیں۔ زمین پر چیزوں کے ارضی وجود سے پہلے اُس عالَم میں اشیا ایک درجے کا اپنا ایک (مثالی) وجود رکھتی ہیں۔ دنیا میں وہ چیزیں جب وجود میں آتی ہیں تو عین اُسی مثالی وجود کے مطابق ہوتی ہیں۔ بے شک بہت سی ایسی اشیا جن کا عام لوگوں کے نزدیک کوئی جسم نہیں ہوتا، وہ اُس عالَمِ (مثال) میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتی رہتی ہیں اور نیچے زمین میں اُترتی ہیں، حال آں کہ ان کو تمام انسان نہیں دیکھ پاتے۔

(عالمِ مثال پر دلالت کرنے والی چند احادیث درجِ ذیل ہیں:)

(1): نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے رَحِـــم یعنی رشتے داری کو پیدا کیا تو وہ اللہ کے سامنے کھڑی ہوئی اور اُس نے یہ کہا کہ میں قطع رحمی سے تیری پناہ میں آتی ہوں۔'' (بخاری و مسلم)

(2): آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''بے شک سورت البقرہ اور سورت آلِ عمران قیامت کے دن ایسی صورت میں آئیں گی کہ گویا کہ بادل کی دو ٹکڑیاں ہیں، یا صف باندھے ہوئے پرندوں کی دو قطاریں ہیں اور وہ اپنی تلاوت کرنے والوں کی حمایت میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے جھگڑیں گی۔'' (صحیح مسلم)

(3): آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''قیامت کے دن اعمال آئیں گے۔ پس نماز آئے گی۔ پھر صدقہ آئے گا۔ پھر روزہ آئے گا الخ۔'' (مشکوٰۃ المصابیح)

(4): حدیثِ معراج میں ہے کہ جبرائیلؑ نے کہا: ''بے شک چار نہریں ہیں۔ دو باطنی نہریں ہیں اور دو ظاہری نہریں ہیں۔'' میں نے پوچھا: ان کی حقیقت کیا ہے؟ انھوں نے کہا کہ: ''دو باطنی نہریں جنت میں ہیں اور دو ظاہری نہریں دریائے نیل اور دریائے فرات ہیں۔'' (بخاری و مسلم)

اسی طرح مشہور حدیث میں ہے کہ: ''بے شک اللہ تعالیٰ جنتیوں کے سامنے بہت سی صورتوں میں اپنی تجلی ڈالے گا۔'' (صحیح مسلم)

اس طرح کی تمام احادیث کے ظاہری الفاظ انسان کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ ایک ایسے عالَم کو تسلیم کرے، جس کی حقیقت ہم نے پہلے بیان کی ہے۔ یہ وہ بات ہے جس کا تقاضا حدیث کے ماہرین کے بیان کردہ قواعد وضوابط کرتے ہیں۔ امام سیوطیؒ نے اس کو بیان کیا ہے۔ میں بھی اس رائے کو قبول کرتا ہوں اور میرا مذہب بھی یہی ہے۔ امام غزالیؒ نے بھی عذاب قبر کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: ''اس قسم کی احادیث کے ظاہری حقائق بالکل درست ہیں اور ان میں ایسے مخفی اَسرار ہیں، جو صاحبِ بصیرت لوگوں کے سامنے بالکل واضح ہیں۔ یہ حقائق جس آدمی کے سامنے کھل کر نہ آئیں تو اُس کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ احادیث کے ظاہری الفاظ کا انکار کرے، بلکہ ایمان کا کم سے کم درجہ ان کی تصدیق کرنا اور انھیں تسلیم کرنا ہے۔'' (باب ذکرِ عالم المثال)

امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ عالَمِ مثال کی تشریح میں فرماتے ہیں:

''مولانا شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ کہتے ہیں کہ جو شخص عالَمِ مثال (super material) کو نہ مانے، وہ اہل سنت میں محقق شمار نہیں ہوسکتا۔ کیوں کہ اُسے قرآن وحدیث کی ہزار سے زیادہ باتوں کی ایسی تاویل کرنی پڑے گی، جو اپنے اصل مفہوم سے بہت دور جا پڑے گی۔ پس جو شخص قرآن شریف اور حدیث کے علوم تفصیلی طور پر پڑھنے پڑھانے کی طرف متوجہ ہو، اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنا اعتقاد یہ بنائے کہ جو چیزیں عالَمِ محسوس (مادی دنیا) میں پیدا ہوتی ہیں، ان کا اس دنیا سے آنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک قسم کا وجود ہوتا ہے۔ اور جب یہ چیزیں اس مادی دنیا سے غائب ہوجائیں گی تو اس کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں اُن کا کسی قسم کا وجود رہے گا۔ اسی طرح بعض لمبی چوڑی ایسی چیزیں ہیں، جو اُس عالَمِ (مثال) کے چھوٹے ٹکڑے میں سما جاتی ہیں اور اس سے اُن کا آپس میں ٹکراؤ نہیں ہوتا۔ غرض! ان باتوں کو سمجھنے کے لیے ایک محقق کو ایک واسطے (medium) کا ماننا ضروری ہے۔ (جو یقیناً عالَمِ مثال ہے۔)

علم طبعیات میں اس کی مثال ایتھر (ether) کی ہے کہ روشنی، برق اور مقناطیس وغیرہ کی لہروں کے ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچنے کے لیے اُسے ایک واسطے کے طور پر ماننا ضروری ہے۔ صدیوں کی کوشش کے بعد جب کسی اَور طرح یہ مسئلہ حل نہ ہوسکا کہ یہ شعاعیں ایک جگہ سے دوسری جگہ کس طرح پہنچتی ہیں تو کسی عقل مند نے تجویز کیا کہ ان کے ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچنے کا ضرور کوئی ذریعہ یا واسطہ ہے۔ اس لیے اس کا نام ایتھر رکھا گیا۔ اب اس کی نسبت یقین کیا جاتا ہے کہ یہ ہر موٹی اور ٹھوس چیز کے آر پار گزر جاتی ہے۔ ایسے ہی طبیعیاتی دنیا سے اوپر کی دنیا میں جو واقعات پیش آتے ہیں، انھیں حل کرنے کے لیے ایک واسطے کے ماننے کی ضرورت ہے، جس کا نام ''عالَمِ مثال'' رکھا گیا ہے۔'' (اردو شرح حجۃ اللہ البالغہ۔ از امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ۔ ص 81-79۔ کراچی)

www.rahimia.org

مقاصدِ زندگی کے تعین میں تربیتی نظام کا کردار

ڈاکٹر عبدالرحمٰن راؤ، لاہور

ایک بچہ جب بلوغت کی جانب قدم بڑھاتا ہے تو اس کا ماحول، اس کے ماں باپ اور اساتذہ اس پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اور رفتہ رفتہ اس کی ذہنی ساخت اسی ڈھانچے میں ڈھلنا شروع کرتی ہے، جو اس کا ماحول اس کے لیے بناتا ہے۔ تعمیرِ شخصیت کے اس مرحلے میں کچھ بنیادی امور کا تعین ضروری ہوتا ہے۔ وہ اپنی حقیقت کے بارے میں جاننا چاہتا ہے۔ اپنی سماجی ذمہ داریوں اور حدود و قیود کے ادراک کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ اسے اس آگہی کی ضرورت ہوتی ہے کہ کامیابی اور ناکامی کیا ہوتی ہے؟ ناکامی سے کیسے بچنا ہے اور کامیابی سے کیسے ہم کنار ہوا جاسکتا ہے؟ لہٰذا ایک بچے کی یہ فطری ضرورت ہوتی ہے کہ اس کے ان بنیادی سوالات کی تشفی اس انداز سے ہو کہ اس کے مقاصدِ زندگی کا واضح طور پر تعین ہو سکے۔ پرائمری اور ثانوی درجے کی تعلیم درحقیقت انھی تقاضوں کو بروئے کار لانے کا دوسرا نام ہے۔

انھیں بنیادی سوالات پر مکمل اور درست رہنمائی ایک نمو پذیر ذہن کی نشوونما اور تعمیرِ شخصیت میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ اگر ان سوالات پر مکمل واضح اور دوٹوک رہنمائی نہ ہو تو ذہنی کنفیوژن، مرعوبیت، بے عملی اور مایوسی اس نوجوان کا مقدر بنتی ہے۔ اس مقصد کے لیے ضروری ہے کہ تعلیمی نظام کی بنیاد ایک اعلیٰ فکر پر رکھی جائے، تاکہ تعمیرِ شخصیت کے ان بنیادی تقاضوں کی تسکین احسن انداز سے ہو سکے۔ زندگی کے حقیقی اور اعلیٰ مقاصد واضح ہو سکیں۔

حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ: ''سرمایہ داری نظام کا نظامِ تعلیم سرمایہ دارانہ ذہنیت منتقل کرتا ہے۔ کمیونزم کا نظامِ تعلیم اپنے نظریہ و فکر پر شخصیت سازی کرتا ہے۔ تو ہمارا نظامِ تعلیم دینی ذہن کے ساتھ کامیاب سماجی کردار ادا کرنے والے قومی رہنما تیار کیوں نہیں کرتا؟'' اسی حوالے سے اگر آج ہم اپنے نظامِ تعلیم کا جائزہ لیں تو یہ ایک واضح فکر اور نظریے سے محروم نظر آتا ہے۔ ستم تو یہ ہے کہ مختلف مکاتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے اساتذہ اپنے مخصوص گروہی اور فرقہ وارانہ مقاصد کے لیے ذہن سازی کرتے ہیں۔

طبقاتی اور فرقہ وارانہ نظامِ تعلیم ابتدا ہی سے ایک ایسا ذہنی انتشار اور کنفیوژن پیدا کر دیتا ہے، جس کی وجہ سے ایک اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم یافتہ فرد بھی اپنے صحیح سماجی کردار اور مقاصدِ زندگی کے تعین کے حوالے سے بے شعور ہی رہتا ہے۔ نتیجتاً حالات کے جبر کے تحت مسلط شدہ راہِ عمل ہی اس کی زندگی کا مقصد قرار پاتی ہے۔ مرعوبیت جنم لیتی ہے۔ قومی مقاصد اس کے پیشِ نظر نہیں ہوتے۔ حضرت رائے پوری رابعؒ کے بقول: ''ایسے نوجوانوں کا یہی المیہ ہوتا ہے کہ انھیں ذرائع ابلاغ کا پروپیگنڈا بہا کر لے جاتا ہے۔ اور بسا اوقات ہمارے نوجوانوں کا عملی کردار قومی مقاصد کے منافی ہو جاتا ہے۔'' (بقیہ: صفحہ 12 پر)

اَعداد و شمار میں ترقی

محمد کاشف شریف، راولپنڈی

کہا جا رہا ہے کہ: ''پاکستان معاشی ترقی کی طرف تیزی سے گامزن ہے۔ تجارتی خسارے میں کمی واقع ہو چکی ہے۔ زرِمبادلہ تاریخ کی بلند ترین سطح پر ہے۔ مہنگائی کی شرح بدستور کم ہوتی چلی جا رہی ہے۔ فلاں فلاں منصوبوں سے روزگار میں اضافہ ہو رہا ہے۔ بین الاقوامی مالیاتی اداروں کا اعتماد بڑھتا جا رہا ہے۔ اب وہ وقت دور نہیں جب پاکستان دنیا کے بیس تیز ترین ممالک میں شامل ہو جائے گا۔''

اَعداد و شمار کا گورکھ دھندا بھی عجیب ہوتا ہے۔ ان کی بنیاد پر ہر حکومتی ادارہ اپنے ناکردہ کارناموں کو بڑھا چڑھا کر بیان کرتا ہے۔ اور مستقبل قریب میں معاشی زندگیوں میں انقلابی تبدیلیوں کا خواب شرمندۂ تعبیر ہونے کی خواہش کا اظہار روزمرہ کی خبروں کی زینت بنتا رہتا ہے اور ہماری زندگیاں سال ہا سال تک جوں کی توں رواں دواں رہتی ہیں۔ بے چارے سادہ لوح عوام مشکل اصطلاحات کے دباؤ میں پستے چلے جاتے ہیں۔

گزشتہ دو سو سالوں میں معاشی لین دین کے میدان میں اتنی تیزی سے تبدیلیاں آئی ہیں کہ اس خطے میں معاشی امور کی مکمل سمجھ بوجھ ان شعبوں سے تعلق رکھنے والے بھی نہیں رکھتے تو سادہ لوح عوام اور سرمایہ داروں کا ایجنٹ میڈیا کیا رکھے گا۔ ہوتا یوں ہے کہ میڈیا میں بڑے بڑے سرکاری اور غیر سرکاری اداروں کی مدد سے اعداد و شمار جاری کیے جاتے ہیں اور خود ساختہ سروے کر کے عوام کی بے شعوری میں مزید اضافہ کیا جاتا ہے۔ لوگ اپنی زندگیوں میں تو وہی گراوٹ محسوس کرتے ہیں، لیکن میڈیا میں اچھی خبریں ضرور آتی رہتی ہیں۔ خصوصاً موجودہ دور میں کہ جب میڈیا سرمایہ داروں کے ایجنٹ کا کردار ادا کر رہا ہے اور حکومتِ وقت سے مالی فوائد حاصل کرتے ہوئے مسلسل ان کے حق میں پروپیگنڈا کرتا رہتا ہے۔

چناں چہ 2004ء سے 2007ء تک ملکِ پاکستان کی غیر معمولی ترقی کو اُس وقت کا میڈیا 9/11 کی وجہ قرار دیتا رہا اور عوام کو یہ باور کرواتا رہا کہ وہ سب وقتی اس لیے تھا کہ اُس کے پیچھے عالمی طاقتوں کی امداد تھی۔ اسی دور کے دوران تیل کی قیمت 40 ڈالر فی بیرل سے 104 ڈالر فی بیرل تک چلی گئی تھی، لیکن پیٹرول کی مقامی قیمتوں کو 33.78 روپے سے 43.52 روپے تک ہی بڑھنے دیا گیا اور تیل کی درآمد کا اضافی بوجھ حکومت نے خود اٹھایا۔ اس کے برعکس 2015ء میں عوامی حکومت نے درآمدی بل میں اب تک 7 ارب ڈالر بچائے ہیں اور ٹیکس کی مد میں قریباً 40 ارب روپے اکٹھے کیے جا چکے ہیں۔ جب کہ عالمی مارکیٹ میں جنوری کے دوران پیٹرول کی قیمت گزشتہ 13 سال کی کم ترین سطح 26 ڈالر فی بیرل پر آ پہنچی، جب کہ گزشتہ سال اسی مہینے کے دوران تیل کی فی بیرل قیمت 55 ڈالر تھی۔ گویا ایک سال کے دوران پیٹرول کی عالمی قیمت میں قریباً 53% کی کمی واقع ہوئی، جب کہ پاکستان میں اسی مدت کے دوران پیٹرول 78.3 روپے سے 76.2 روپے فی لیٹر تک کم کیا گیا۔ اس حقیقت کے باوجود حکمران اپنے احسانات گنواتے نہیں تھکتے اور عالمی تبدیلیوں کے محدود وقتی اثرات کو اپنا کمال بنا کے پیش کرتے ہیں۔

عالمی منظر نامہ

مرزا محمد رمضان، راولپنڈی

ہنری کسنجر کا دورۂ ماسکو

12 رجنوری 2012ء کو ہنری کسنجر نے دورۂ ماسکو کے موقع پر روسی صدر وِلادی میر پیوٹن کو دوستانہ انداز میں ایک دھمکی آمیز مشورہ دیا کہ: ''وہ آئندہ روسی صدر کا الیکشن نہ لڑیں۔ کیوں کہ اگر انھوں نے ایسی حرکت کی تو امریکا روس کو ریزہ ریزہ کردے گا۔ پیوٹن کی بطور روسی صدر یہ تیسری ٹرم اسے تباہی سے ہم کنار کردے گی۔'' 3 رفروری 2016ء کو یہی روسی صدر دوبارہ امریکی مشیر برائے قومی سلامتی امور کو اپنے گھر میں شرفِ ملاقات بخشتا ہے۔ دفاعی تجزیہ نگاروں کے بقول یقیناً ہنری کسنجر کسی ایسی اہم سازش کی تکمیل کے تقاضے کے تحت ہی روس آیا تھا، جسے وہ باراک حسین اوباما کے ذمے نہیں سونپ سکتے تھے۔ کیوں کہ دورانِ جنگ ایسے اقدامات اختیار کرنا جنگی منصوبے کی کامیابی کے لیے ضروری قرار دیے جاتے ہیں۔ اس سے پہلے وہ 2013ء میں بھی دو مرتبہ ماسکو کی خاک چھان چکا تھا۔ جب اس نے پیوٹن کو اپنی فوجیں یوکرائن سے نہ نکالنے کی صورت میں مہلک نتائج کی دھمکی دی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ دنیا میں واشنگٹن کی چالوں کے پلٹنے کی شروعات کا نقطہ آغاز، روس اور چین کا باہمی سیاسی اور معاشی معاہدات میں شامل ہونا ہے۔ واشنگٹن کی دوسری بڑی ناکامی دیوارِ برلن کا گرنا اور جرمنی کا دوبارہ متحد ہونا ہے۔

دنیائے سیاست پر پُرانے مہروں کے پٹنے سے گریٹ گیم کے پلٹنے کا اندازہ 4 رفروری 2016ء کو ماسکو سے واپسی پر واشنگٹن کے ایک رسالے ''دی نیشنل انٹرسٹ'' ہنری کسنجر کے ایک مضمون سے ہوتا ہے۔ وہ لکھتا ہے: ''سرد جنگ کے دور کی نسبت آج امریکا اور رُوس کے درمیان تعلقات میں بہت زیادہ تلخیاں پیدا ہو چکی ہیں۔ کیوں کہ روس اور امریکا میں محاذ آرائی اس حد تک بڑھ چکی ہے، جس سے نئی عالمی تشکیل پر مکالمے کا آگے بڑھنا دشوار دکھائی دیتا ہے۔'' امریکی مشیر برائے قومی سلامتی امور کا یہ پُرانا وطیرہ ہے کہ امریکی مفادات کی حفاظت کے پیشِ نظر مختلف طریقوں سے کسی بھی حد تک جاسکتے ہیں۔ تیسری دنیا کے ملکوں میں اپنے ایجنٹوں کے ذریعے امریکی مفادات پر مبنی پالیسیاں ترتیب دے کر مقاصد حاصل کیے جاتے رہے ہیں، جب کہ مدِمقابل طاقتوں کے ہاں اُن کا انداز مختلف رہا ہے۔ ستر کی دہائی میں تیسری دنیا میں کئی لیڈر اسی وجہ سے صفحۂ ہستی سے مٹا دیے گئے۔ کیوں کہ وہ لیڈر قومی مفادات کو مقدم ٹھہرا رہے تھے۔ اس کے برعکس جب ان کا سامنا ہم پلہ اقوام سے ہوا، تب انھیں بڑی طاقتوں کو عالمی دھارے میں لانے کی حکمتِ عملی اختیار کرنی پڑی۔ یقیناً عصرِ حاضر گزشتہ ادوار کی نسبت بہت بدل چکا ہے۔ جنوبی ایشیا میں دہشت گرد گروہوں کے ذریعے قتل و غارت کا بازار ربع صدی تک گرم کیے رکھا۔ کوئی ایسی طاقت میدان میں نہ تھی، جس کے ساتھ مفادات شیئر کیے جاسکتے، لیکن حالیہ صدی میں ایشیا کی اُبھرتی ہوئی اقوام نے طریقۂ کار بدل کر مقابلے کی نئی حکمتِ عملی وضع کی۔ انھوں نے ایک کا مقابلہ ایک سے کرنے کی بجائے اجتماعیت کا اصول اختیار کیا۔ یہی اجتماعیت جب مشرقِ وسطیٰ پہنچی تو اس نے شطرنج کی بساط ہی پلٹ ڈالی۔ چوں کہ آج مقابلہ ایک طاقت ور اجتماعیت سے ہے، اس لیے آج انھیں معاملہ مشکل دکھائی دیتا ہے۔

ہنری کسنجر نے مزید لکھا کہ: ''امریکا اور روس کو آگے بڑھ کر ایک دوسرے کے ساتھ معاملات کو سلجھانا چاہیے۔ جس سے نئے ورلڈ آرڈر کی تشکیل میں اپنے اپنے دائرۂ کار میں رہتے ہوئے باہمی اشتراکِ عمل کا تعین ہو سکے۔'' نئی اجتماعیت نے علاقے میں دندناتے ہوئے مست ہاتھی کی سونڈ میں نکیل ڈالنے کے اقدامات شروع کیے تو جنگل کے سارے جانور اپنی اپنی بلوں سے باہر جھانکنے لگے۔ پرانی تعلق داری نبھانے کے لیے جنگلیوں نے پنچائت بلائی۔ یہ جنگلی جنگل میں مل کر شکار کا چیر پھاڑ کیا کرتے تھے۔ جدھر منہ اٹھاتے، وہاں گھس جاتے۔ اپنے ہر حملے کا کوئی نہ کوئی جواز پیدا کر لیتے۔ آج جب جنگل کی ہواؤں کا رُخ بدلنا شروع ہوا تو انھوں نے فیصلہ کیا کہ اپنے پُرانے 90 سالہ سفارت کار کو دوبارہ ڈرانے دھمکانے کے لیے بھیجا جائے، شاید کوئی سیانی تدبیر کارگر ثابت ہو جائے۔ کیوں کہ جب یہ بوڑھے ہو جاتے ہیں اور طاقت ساتھ نہیں دیتی تو پھر زیادہ تر تقریریں رہ جاتی ہیں۔ ہر کوئی اپنی پُرانی چالوں کے قصے کہانیاں سنا کر مرعوب کرنے میں کوشاں ہوتا ہے۔ ویسے ان کے ہاں مل کر چلنے کا عمل محض ایک چال ہی ہوتی ہے۔ کیوں کہ مل کر چلنا تو دوسروں کو اہمیت دینا ہوتا ہے، جو اُن کی سرشت میں ہی نہیں ہے۔

کسنجر کا کہنا ہے کہ: ''ریاستی ڈھانچوں کے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہونے کے باعث آج دنیا میں سیاسی عدمِ استحکام غیر معمولی حد تک بڑھ چکا ہے۔ دہشت گردوں کی تعداد اس حد تک بڑھ چکی ہے کہ کوئی ملک اکیلا انھیں کنٹرول نہیں کر سکتا۔ لہٰذا امریکا کو چاہیے کہ ان حالات پر قابو پانے کے لیے وہ روس اور باقی دنیا کی طاقتوں کے ساتھ مسلسل تعاون کا رویہ اختیار کرے۔'' ریاستی ڈھانچوں کو تباہ و برباد کر کے، معاشرے کی بنیادی اکائیوں کے باہمی تعلق کو توڑ کر بے ترتیب کرنے، درمیانی خلا میں گھس کر وہاں بدامنی پیدا کرنے، انسانی جانوں کو بے آبرو کرنے، خطے کے وسائل پر دن دیہاڑے ڈاکے ڈالنے کا اقوامِ متحدہ کے چارٹر کی کس شق نے انھیں اختیار دیا تھا؟ آج ان گروہوں کو کنٹرول کرنا اس لیے مشکل ہے، کیوں کہ ان کی صفائی کا عمل کسی دوسرے مرکز سے جاری ہے۔ اب یہ گروہ جب دُم دبا کر پیٹھ دکھاتے ہوئے اپنی کمین گاہوں کی طرف بھاگ رہے ہیں تو خوف یہ ہے کہ کہیں وہ بے نقاب نہ ہو جائیں۔ کوشش یہ ہے کہ کسی طرح ان کی پاکٹیں محفوظ رہیں۔ مل جل کر جب قابو پانے کا عمل شروع ہوگا تو ان کے ٹھکانے محفوظ ہو جائیں گے۔

کسنجر نے کہا کہ: ''یوکرائن کا مسئلہ ایسے حل ہو، جس کے نتیجے میں روس اور مغربی دنیا میں رابطہ بڑھ جائے۔'' یوکرائن کی سرحدیں روس سے ملتی ہیں۔ کیف کا علاقہ، جہاں روس نے فوجیں اُتاری تھیں، اس کی وجہ یہ تھی کہ 2010ء تا 2014ء یوکرائن کے روس کے ساتھ تعلقات بڑے دوستانہ تھے۔ انتخابات کے نتیجے میں نئی حکومت نے وجود میں آتے ہی روس مخالف رویہ اختیار کیا۔ مثلاً قرضوں کی واپسی کے ری شیڈول کرنے سے انکاری ہوئی تھی۔ ان جیسے اقدامات نے روس اور یوکرائن کے درمیان جب بحران پیدا کیا، تو پس پردہ مقصد تو یہ تھے کہ یہاں امریکا کو روس کے خلاف مورچہ مل جائے گا جو روس نے پیدا نہیں ہونے دیا۔ اب جب اس میں بھی ناکامی ہوئی تو موصوف اسے مغرب کے ساتھ رابطہ پیدا کرنے کا ذریعہ بنانے کا درس دے رہے ہیں تاکہ امریکا کو یہاں سے نقب لگانے کا موقعہ ملتا رہے۔

www.rahimia.org

مجالس؛ افاداتِ علم وحکمت

ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور کے قیام سے ہی یہ روایت موجود رہی ہے کہ نمازِ جمعہ کے بعد حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہٗ کے ساتھ احباب کی استفادہ نشست ہوتی ہے۔ جنوری 2015ء کے شمارے سے ان افادات کو شائع کر کے ہم مجلّہ رحیمیہ کے تمام قارئین کو اس استفادہ نشست میں شامل کر رہے ہیں۔ قارئین سے گزارش ہے کہ اس سلسلے میں ادارہ کو اپنی رائے سے ضرور آگاہ کریں۔ (مدیر)

مجلس: 4/مارچ 2016ء - مقام: ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ، لاہور

سوال: میں درسِ نظامی کے ساتویں درجے (کلاس) کی تعلیم حاصل کر رہا ہوں۔ میرے لیے کیا نصیحت ہے کہ میں کس طرح اس نصاب سے استفادہ کروں؟

حضرت اقدس: آپ کو سابعہ یعنی ساتویں درجے میں پڑھائی جانے والی حدیث شریف کی کتاب ''مشکوٰۃ المصابیح'' پورے عقل وشعور سے پڑھنی چاہیے۔ فقہ کی اہم کتاب ''ہدایہ ثالث'' کو بڑی گہرائی سے زیرِ مطالعہ رکھنا چاہیے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اس درسِ نظامی سے وہ بنیادی فہم وبصیرت حاصل کرنی چاہیے، جس کے نتیجے میں غلبۂ دین کی جدوجہد کا شعور اور قومی عصری تقاضوں کی بنیاد پر درست رائے قائم کرنے کی صلاحیت پیدا ہو۔ نیز دینی نظریات کے اظہار کا صحیح سلیقہ بھی سیکھنا چاہیے، جو ہمارے علمائے ربانیین کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔ جیسے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ، حضرت مفتی کفایت اللہ دہلویؒ اور حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ اور دیگر اکابرین کا طریقۂ کار رہا ہے۔ یہ سب حضراتؒ اسی درسِ نظامی کے تعلیم یافتہ اور مدارس کے تربیت یافتہ تھے۔ انھوں نے اپنے دور کی آزادی پسند اور قومی تحریکات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اور نہ صرف عوام، بلکہ جماعتوں اور رہنماؤں کی رہنمائی کا فریضہ بھی سرانجام دیا۔ انھوں نے فرقہ وارانہ مسائل سے اوپر اٹھ کر انسانیت کے بنیادی حقوق دلانے کے لیے کام کیا۔ فرنگی سامراج کی غلامی سے ملک وقوم کو سیاسی اور معاشی آزادی دلانے کے لیے بنیادی کردار ادا کیا۔ اور اس خطے کے باشندوں کے درمیان فرقہ وارانہ ہم آہنگی کو فروغ دیا۔ باوجود اس کے کہ فرقہ پرست ہندوؤں اور مسلمانوں نے ان پر طرح طرح کے الزامات لگائے اور ان کے ساتھ توہین آمیز سلوک روا رکھا۔ جیسا کہ مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ کے متعلق آپ نے سنا ہوگا کہ اس دور کے مسلم لیگیوں نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ لدھیانہ اور جالندھر کے اسٹیشن پر ان کے ساتھ اس حد تک طوفانِ بدتمیزی برپا کیا گیا کہ ان کے سر کی ٹوپی اتاری گئی اور ان کے سر پر جوتے مارے گئے۔ حال آں کہ وہ دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث اور سیّد زادے تھے، لیکن عقل و بصیرت سے محروم سیاسی تعصب کے شکار مسلم لیگیوں نے ایک عالم ربانی کے ساتھ توہین آمیز سلوک کر کے بڑی بدترین تاریخ رقم کی۔

اس کے باوجود حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے لیے مستقل جدوجہد میں مصروف رہے۔ حضرت مدنی اپنی سوانح ''نقشِ حیات'' (ج:2،ص:67-266) میں تحریر فرماتے ہیں کہ: ''میں دہلی سے براہِ مرادآباد کلکتہ کے لیے روانہ ہوا۔ راستے میں امروہہ پڑتا تھا۔ امروہہ کے اسٹیشن پر بہت سے احباب نے اُترنے پر مجبور کیا۔ انھوں نے کہا کہ: حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوری یہاں تشریف لائے ہوئے ہیں۔ اُن کا حکم ہے۔ بعد کو معلوم ہوا کہ شیعوں اور سنیوں میں مناظرے کے قرارداد پہلے سے ہو چکی تھی۔... مگر چوں کہ خلافت کی تحریک اس وقت بہت زوروں پر تھی اور عام فضا مسلمانوں میں خصوصاً اور تمام ہندوستانیوں میں عموماً اتفاق واتحاد قائم کرنے کی متقاضی تھی۔..اس لیے سنجیدہ حضرات چاہتے تھے کہ مناظرہ نہ ہو۔ اور چاہتے تھے کہ کوئی قومی یا (خلافت) تحریک کا حامل شخص بیچ میں پڑ کر مناظرہ رُکوا دے۔..میں نے حاضر ہو کر وہاں تقریر بڑے مجمع میں کی، جس کی وجہ سے اشتعال ٹھنڈا ہوا۔ میں نے ہر دو فریق سنیوں اور شیعوں کو سمجھایا اور وقت کی نزاکتوں کو دکھلا کر زوردار اپیل کی کہ کوئی اس قسم کی کارروائی اس زمانے میں مناسب نہیں ہے، جس سے افتراق کی خلیج میں وسعت ہو۔ ضروری ہے کہ اتفاق اور اتحاد کو مضبوط کیا جائے۔ میں نے کربلا شریف، بغداد اور عراق پر انگریزی مظالم دکھلائے۔ نیز مکہ معظّمہ، مدینہ منورہ اور دیگر مقاماتِ مقدسہ کے قیامت خیز واقعات بھی دکھلائے اور شیعوں اور سنیوں دونوں کو ملامت کی۔ بہرحال اس طویل تقریر کا فریقین اور عوام پر اچھا اثر ہوا۔ فریقین سمجھ گئے اور معاملہ رفع دفع ہو گیا۔''

حضرت سہارن پوریؒ اور حضرت مدنیؒ نے یہی درسِ نظامی، مشکوٰۃ شریف اور ہدایہ عقل وشعور اور نظریے کے ساتھ پڑھی تھی، جس سے اُن کا انسانی اور قومی شعور بلند ہوا۔ اور انھوں نے اپنے ملک وقوم اور انسانیت کی خدمت کی بے نظیر مثال قائم کی۔ اور آج ہمارے علما بھی یہی درسِ نظامی، مشکوٰۃ، ہدایہ اور بخاری شریف پڑھنے کے بعد فرقہ وارانہ مسائل کو ہوا دیتے اور قوم میں تقسیم در تقسیم کے عمل کو یہاں تک بڑھاتے ہیں کہ پورا ملک اور معاشرہ فرقہ واریت کی آگ میں جل رہا ہے۔ مولانا مدنیؒ، جنھوں نے سترہ سال مسجدِ نبویؐ میں حدیث شریف پڑھائی، جنھوں نے دیوبند میں پچاس سال حدیث پڑھی پڑھائی۔ ہزاروں علما کے استاد ہیں۔ اور پھر آزادی کی جنگ لڑی۔ انھوں نے تو فرقہ واریت کی بات نہیں کی۔ وہ تو آزادی اور حریت کے مشن پر کام کرتے رہے۔ حضرت شیخ الہندؒ جنھوں نے پچاس سال دیوبند میں تفسیر، حدیث اور فقہ پڑھائی، جو صاحبِ نسبت بزرگ بھی ہیں، آج دینی مدارس کے طلبا کو ان اکابرین کے اُسوہ کو سامنے رکھنا چاہیے اور فرقہ واریت، تنگ نظری، شدت پسندی اور دہشت گردی کی موجودہ فضا میں اُن کے مشن کو زندہ کرنے کی نیت سے تعلیم وتربیت سے آراستہ ہونا چاہیے۔

اس بنیادی اور اساسی نظریے کی بنیاد پر بلاتفریق رنگ، نسل، مذہب تمام انسانوں کو دین کا عملی نظام قائم کرنے کی دعوت دینی ہے۔ عقل وشعور پھیلانا ہے اور دین کے اُس پیغام کو جس سے دنیا سے مغلوبیت کو ختم کرنے اور دین کو غالب کرنے کی حکمتِ عملی ہمارے پیشِ نظر رہے، اسے سمجھنا اور سمجھانا ہے۔ لڑائی جھگڑے کا ماحول تو ہمارے نظریے کے لیے خرابی کا باعث ہے۔ تعلیم کوئی سی بھی ہو، حاصل کرو۔ عالم بنو، مفتی بنو، انجینئر بنو، ڈاکٹر بنو، لیکن نظریہ تمام انسانیت کی فلاح وبہبود، دینِ حق کے عادلانہ غلبے کا ہو۔ عقل وشعور کے ساتھ باتوں کو سمجھنے اور ان کے مطابق عمل کرنے کی صلاحیت واستعداد اپنے اندر پیدا کریں۔

www.rahimia.org

خطبات و بیانات

افادات: حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ
جانشین حضرت رائے پوری رابعؒ و مسند نشین خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے 4/ مارچ 2016ء کو ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ لاہور میں نمازِ جمعہ کے شرکا سے خطاب فرمایا، جس کے چند اہم اقتباسات درجِ ذیل ہیں:

محبتِ رسولؐ کے بغیر ایمان کامل نہیں ہوتا

''معزز دوستو! قرآن نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشق کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا: ایسی قوم کو تم نہیں پاؤ گے، جو اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لائیں اور اس کے دشمنوں سے کسی قسم کی دوستی اور محبت کا تعلق رکھتے ہوں۔ خواہ وہ ان کے باپ ہوں، ان کی اولاد ہو، ان کا خاندان یا قبیلہ ہو، کوئی بھی ہو۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان ایسے لکھ دیا کہ وہ نقش ہو کر رہ گیا ہے۔ محبت نے اُن کے اندر یہ جذبہ بیدار کر دیا کہ جو رسول اللہ کا قائم کردہ نظام ہے، وہ اس کی خلاف ورزی برداشت نہیں کرتے۔ یعنی وہ دین کا عملی نظام قائم کرنے کے لیے ہمہ تن روح اور جسم مشغول اور مشغوف ہیں۔ انھیں آپؐ کے ساتھ دلی چاہت اور لگن ایسی ہے کہ وہ آپؐ کے بغیر رہ نہیں سکتے۔ صحابہؓ کے بارے میں قرآن نے ان کی دعا بتلائی کہ: ''ہمارے اندر ایمان کی محبت ڈال دے۔'' کیوں کہ محبت اور عشق کے بغیر ڈسپلن اور سسٹم قائم نہیں ہوتا۔

حدیثِ نبویؐ کے مطابق مسلمانوں پر یہ لازمی قرار پایا کہ وہ اپنے ماں باپ، اولاد اور تمام لوگوں سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول محمد ﷺ سے محبت رکھیں۔ یہ محبت کا جذبہ ہی دراصل ڈسپلن کو قائم کرنے، سسٹم کے لیے جان مال قربان کرنے کی صلاحیت پیدا کرتا ہے۔ محبت ایک نتیجہ پیدا کرتی ہے۔ محبت نہ ہو تو فرماں برداری پوری نہیں ہوتی۔ دل کی چاہت سے جب کام کیا جاتا ہے، تو وہ حقیقی فرماں برداری ہے۔ اور اگر کوئی کام محض مجبوری سمجھ کر کیا جائے تو وہ صرف ٹائم پاس کرنا ہوتا ہے۔ ڈسپلن اور فرماں برداری تب ہوتی ہے، جب دل کی چاہت اور لگن سے کام ہو۔ اسی سے نتائج نکلتے ہیں۔

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ حضور اقدسؐ کی بعثت ارتفاقِ رابع کے لیے ہوئی۔ یعنی بین الاقوامی سطح پر اسلام کے عادلانہ مقاصد و اہداف حاصل کرنے اور کل انسانیت کی فلاح و بہبود کا عملی نظام قائم کرنے کے لیے ہوئی۔ رسول اللہؐ کو ماننے والی مسلمان جماعت پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ حضور اقدسؐ کی اس وراثت کو لے کر دنیا میں دینِ حق کا عالم گیر نظام قائم کرنے کے لیے اپنی توانائیاں خرچ کرے۔ رسول اللہؐ کو رسول ماننے کا مطلب یہی ہے کہ انھوں نے اللہ کے نائب اور خلیفۃ اللہ فی الارض بن کر انسانیت کی فلاح و بہبود کا جو نظام قائم کیا ہے، ہم اس نظام کے ساتھ وابستہ ہو جائیں۔ اور اس نظام کے سپاہی اور ورکر بن کر ایسے نظام کو قائم کرنے کے لیے جان مال قربان کر دیں۔''

محبت کے تین دائرے

حضرت اقدس رائے پوری مدظلہٗ نے خطاب کرتے ہوئے مزید فرمایا:

''عشق اور محبت کا تعلق انسانی روح کے ساتھ ہے اور انسانی روح کی تین پرتیں ہیں: پہلی کا تعلق دائرۂ نفس سے، دوسری کا دائرۂ قلب سے اور تیسری پرت کا تعلق دائرۂ عقل سے ہے۔ اس طرح انسانی روح میں محبتِ نفسانی، محبتِ قلبی اور محبتِ عقلی ہوتی ہیں۔ محبت وہ مطلوب ہے جس میں نفس، قلب کے اور قلب عقل کے تابع ہو۔ دنیاوی زندگی کے معشوقوں کی محبت، محض روایتی اور رسمی طور پر اہل و عیال کی محبت' نفسانی محبت ہوتی ہے۔ جب کہ قلبی محبت سے محبوب کے کاموں کو پورا کرنے کی جرأت اور دلیری پیدا ہوتی ہے۔ ہمت بیدار ہوتی ہے۔ بزدلی اور مرعوبیت ختم ہوتی ہے۔ جس کے ساتھ قلبی عشق اور محبت ہو، اُس کے کام کو پورا کرنے کا صحیح عزم و ارادہ اور تحریک پیدا ہوتی ہے۔ اگر صحیح عزم و ارادے کی محبت ہو تو دنیا کی کوئی طاقت اس کا راستہ نہیں روک سکتی۔ ایسے ہی محبت اور عشق کا تیسرا دائرہ عقل سے تعلق رکھتا ہے کہ جس سے محبت ہو، اس کے کام کرنے کے لیے عقل و شعور کی اساس پر چیزوں کا درست تجزیہ کرنا ہوتا ہے۔ اس سے حالات و واقعات اور گرد و پیش کے حقائق میں تدبر و تفکر کیا جاتا ہے اور مطلوبہ نتائج حاصل کرنے کی درست حکمتِ عملی بنانے کی اہلیت و صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ عقلی عشق و محبت معشوق کے احکامات کا عملی نظام قائم کرنے کا طریقہ سوچتی ہے۔ مکر و فریب کے جال سے بچتی ہے۔ دھوکا دہی اور فراڈ کے ماحول کا مقابلہ کرتی ہے۔

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے صاحب زادے حضرت شاہ رفیع الدین عبدالوہاب دہلویؒ رسالہ ''اَسرار المَحبّۃ'' (محبت کے راز) میں فرماتے ہیں کہ: سب سے اونچے درجے کی محبت' محبتِ عقلی ہوتی ہے۔ نفسانی محبت بھی ناقص اور ادھوری ہے۔ قلبی محبت کا بھی اپنا ایک مختصر دائرہ ہے کہ اس سے جرأت و ہمت تو پیدا ہو گئی، لیکن حالات و واقعات کا درست تجزیہ نہیں کیا تو نتائج درست نہیں نکلتے۔ جب محبتِ نفسانی اور محبتِ قلبی' محبتِ عقلی کے تابع ہو تو ایسی جامع محبت ہی دراصل ایک درست نتیجہ پیدا کرتی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اور حضور اقدس ﷺ کے ساتھ جس محبت کی دعوت قرآن حکیم اور احادیثِ مبارکہ میں دی گئی ہے، اس سے مراد تمام محبتوں میں سے اعلیٰ محبت' محبتِ عقلی ہے۔ قرآن بار بار کہتا ہے: افلا تعقلون، افلا تشعرون. کیا تم عقل و شعور سے کام نہیں لیتے؟ گویا اعلیٰ درجے کی محبتِ عقلی کی دعوت دی گئی ہے، جس سے درست نتائج حاصل ہوتے ہیں۔

حضورؐ سے عقل و شعور کی بنیاد پر محبت تقاضا کرتی ہے کہ حضورؐ نے کل انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے جو نظام دیا ہے، اُس کو قائم کرنے کے لیے اپنے نفس، قلب اور عقل کا استعمال کیا جائے۔ کل انسانیت کی فلاح کا نظام قائم کرنا تب ہی ممکن ہوگا کہ کل انسانیت میں سے ظالم، انسانیت دشمن قوتوں کا نظام چلانے والے ائمۃ الکفر کے طبقے کو ہدف بنا کر راستے سے ہٹایا جائے۔ اور باقی انسانیت کو محبت کی اساس پر انسانی ترقی اور فلاح و بہبود کی دعوت دی جائے۔ جب محبتِ عقلی کی بنیاد پر آپ ﷺ کے مقصدِ بعثت ''بین الاقوامی سطح پر دین کے نظام کا غلبہ'' کو سمجھا جائے، تب نبوی نظام قائم ہوگا۔''

www.rahimia.org

محبتِ رسولؐ کا تقاضا: توہینِ رسالت کے نظام کا خاتمہ

حضرت اقدس رائے پوری مدظلہٗ نے خطاب کرتے ہوئے مزید فرمایا:

''کوئی قانون اس وقت تک نتیجہ پیدا نہیں کرتا، جب تک کہ اُس کی پشت پر ایک مستحکم نظام نہ ہو۔ عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ ''اچھا قانون بنا دیا جائے تو سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا۔'' لیکن ہمیں یہ بھی سوچنا چاہیے کہ اچھا قانون غلط نظام میں استعمال کیا جائے تو وہ بھی غلط نتائج پیدا کرتا ہے۔ قصاص کا قانون قرآن نے جاری کیا ہے کہ کسی شخص نے اگر کسی کو قتل کر دیا تو بدلے میں اُسے قتل کیا جائے گا۔ اور اگر مقتول کے ورثا قاتل کو دیت وغیرہ لے کر معاف کر دیں، تو قاتل کی معافی ہوگئی۔ لیکن ایک ایسے طبقاتی نظام میں جہاں سرمایہ پرستی اور جاگیرداری کا غلبہ ہو، وہاں عام طور پر قاتل سرمایہ دار اور جاگیردار ہوتا ہے۔ وہ غریب کو قتل کر کے مقتول کے مجبور ورثا سے زبردستی معافی نامہ لکھوا لیتا ہے۔ تو غلط نظام میں قانونِ دیت نے کیا نتیجہ پیدا کیا؟ حال آں کہ قرآن نے جہاں یہ قانون بیان کیا، وہیں ایک آزاد معاشرے کا تذکرہ بھی کیا ہے کہ ایسا معاشرہ جہاں تمام انسانوں اور خاندانوں کو مکمل تحفظ اور آزادیٔ وحریت حاصل ہو۔ مقتول کے ورثا اپنے جان و مال کے تحفظ اور آزادرائے کی بنیاد پر اگر قاتل کو معاف کر دیں تو درست ہے۔

اس ملک کی سب سے بڑی خرابی سسٹم اور نظام کی خرابی ہے۔ قوانین تو بعد کی باتیں ہیں۔ سر سے پاؤں تک بیس کروڑ انسانوں پر جو سسٹم مسلط ہے، وہ انگریز سامراج کی غلامی کے زمانے کا ہے۔ اس دور کی عدالتیں جھوٹیں، سیاسی نظام جھوٹا ہے۔ جہاں کے یونین کونسل کے ممبر سے لے کر اعلیٰ ترین عہدے دار تک اس غلط سسٹم کے آلہ کار اور ایجنٹ ہیں، ایسے ظلم وستم کے نظام میں اچھے قوانین بنانا کوئی نتیجہ پیدا نہیں کرتا۔

اسی طرح توہین رسالت کا کوئی بھی اچھے سے اچھا قانون بنالیا جائے، سسٹم غلط ہے تو غلط قوتیں اس اچھے قانون کو اپنے غلط مقاصد کے لیے استعمال کرلیں گی۔ اور پھر دیکھنے کی بات یہ ہے کہ توہین رسالت ایک فرد کرے تو قانون حرکت میں آتا ہے اور اگر توہین رسالت پورا سسٹم کرے تو کوئی لیڈر اور کوئی جماعت میدان میں نہیں آتی۔ کیا سود خوری کا نظام توہین رسالت نہیں ہے؟ اس توہین رسالت کے مقابلے کے لیے کون عاشق میدان میں آیا ہے؟ یہاں کا سیاسی نظام جس کا بنیادی کام امن دینا تھا، خوف بانٹتا ہے۔ دہشت پیدا کرتا اور انسانوں کو قتل کرتا ہے۔ کیا یہ توہین رسالت نہیں ہے؟ اس توہین رسالت کے خلاف کہاں ہے عاشقانِ رسول کا مجمع؟ یہاں کا سماجی، معاشرتی، عدالتی اور بیوروکریٹک سسٹم انسانیت دشمنی کے فیصلے کرتا ہے۔ توہین خدا اور توہین رسول کا باقاعدہ سسٹم بنا رکھا ہے۔ اس کے خلاف کسی قسم کی کوئی مزاحمت نہیں۔ توہین رسالت بہ طورِ نظام کے ہو رہی ہے۔ اور اس توہین رسالت کو ختم کرنے کا واحد راستہ رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے نظام کو عملاً قائم کرنا ہے۔ اس کے مقابلے کا جو سامراجی اور طاغوت کی غلامی کا نظام ہے، اسے ختم کرنا ہے۔ اس کے بغیر توہین رسالت کا بنایا ہوا کوئی بھی قانون غلط نظام کی وجہ سے مؤثر نہیں ہوگا۔ یاد رکھیے! یہی محبتِ خدا اور محبتِ رسول کا عقلی تقاضا ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو محبت کے سب دعوے نفسانی ہیں۔''

محبتِ عقلی کے تحت ظلم کے نظام کو توڑنا ہے

حضرت اقدس رائے پوری مدظلہٗ نے خطاب کرتے ہوئے مزید فرمایا:

''آج کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ ہم جو حضور ﷺ سے عشق ومحبت کے نعرے لگاتے ہیں، عام طور پر نفس کے تقاضے سے ہوتے ہیں۔ بسا اوقات اس عشق سے ہمارے ذاتی مفادات وابستہ ہوتے ہیں۔ اس کا تعلق قلبی محبت سے نہیں ہوتا۔ اگر کسی نے ان میں سے قلبی جرأت کا مظاہرہ بھی کیا ہے تو وہ عقلی محبت سے دور ہوتا ہے۔ محض ایسی اندھی جرأت کہ جس کے نتیجے میں عقل کا استعمال بند ہوجائے تو وہ بھی منفی نتائج پیدا کرتی ہے۔ عقل وشعور تقاضا کرتا ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ سے عشق ہے تو اُن کا نظام قائم کرنے کی جدوجہد کی جائے۔ حضورؐ کے نظام سے متصادم جو سامراجی، سرمایہ دارانہ طاغوتی نظامِ عدالت، سیاست، معیشت، معاشرت، تہذیب وکلچر ہے، اس کو ختم کرنے کے لیے منظم اجتماعیت قائم ہو۔ کیوں کہ حضورؐ کے سب سے بڑے عاشق اور سب سے زیادہ محبت کرنے والے صحابہ کرامؓ ہیں۔ ان سے بڑھ کر کوئی عاشق رسول نہیں ہوسکتا۔ اور انھوں نے حضورؐ کے عشق میں دین کا عملی نظام قائم کرنے کی جدوجہد اور کوشش کی۔

مکے کے مشرک حضور اقدسؐ کی ذاتِ گرامی پر کیا کچھ کیچڑ نہیں اُچھالتے تھے، لیکن مکہ مکرمہ میں حضورؐ کی تیار کردہ صحابہ کرامؓ کی اولوالعزم جماعت نے ڈسپلن اور عقل کے تقاضے سے ماورا کوئی قدم نہیں اٹھایا۔ صبر وضبط کا مظاہرہ کیا اور یہ عزم کیا کہ حضورؐ کو ایذا دینے والے ابوجہل کو ضرور ٹھکانے لگانا ہے، لیکن یہ کام ایک سسٹم کے ذریعے سے کرنا ہے۔ پھر دین کا نظام قائم ہونے کے بعد ابوجہل کا خاتمہ کیا۔ اُسی مکے کے بڑے بڑے سرداروں کو قتل کیا، لیکن کب؟ جب مدینے میں نظام قائم ہوگیا۔ مدینے کی طاقت بدر میں لاکر دنیا کو دکھا کر کہ باقاعدہ جنگ ہوئی ہے۔ چوری چھپے جا کر کسی کے پیٹ میں چھرا گھونپ کر مارنہیں دیا۔ دنیا کو بھی پتہ چلے کہ یہ کسی نفسانی خواہش سے ابوجہل کو نہیں مارا گیا۔ ٹھیک خوب سوچ سمجھ کر غلط سسٹم چلانے والی ریڑھ کی ہڈی کو توڑا گیا ہے۔

یہاں اُلٹا معاملہ ہے۔ عقل کی بات کریں تو فتوؤں کی یلغار ہے اور عشق اور محبت کے نام پر نفسانی مفادات حاصل کرنے کے لیے کہانیاں قصے سنائیں تو واہ واہ کے ڈونگرے برسائے جاتے ہیں۔ جب قوموں کی عقل ماردی جاتی ہے تو وہ نفسانی محبتوں کے اندر اُلجھ کر رہ جاتے ہیں۔ وہ اندھی قلبی جرأت کے اسیر بن جاتے ہیں۔ اور سوسائٹی کے لیے اسلام کا اعلیٰ پیغام بہ طور نظام کے پیش کرنے کی صلاحیت سے عاری ہوجاتے ہیں۔ دنیا بھر میں اسلام کے عملی نظام قائم کرنے کا نمونہ اور ماڈل پیش کرنے کی بجائے ایک فرقے اور گروہ کے طور پر کل انسانیت کے سامنے ایسا کردار ادا کرتے ہیں، جس سے اسلام کا چہرہ مسخ ہوتا ہے۔ آج ہمیں اُس حقانیت کو سمجھنا ہے، جو اللہ اور اُس کے رسولؐ اور صحابہؓ اور تابعینؒ اور ان چودہ سو سالوں میں حضورؐ کے سچے خلفا اور سچے رہنماؤں نے واضح کیا ہے۔ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور اُن کی جماعت کا بنیادی پیغام عقل وشعور کی بنیاد پر گرد وپیش کے حقائق کا جائزہ لینا اور اپنے محبت اور عشق کے معاملات کو محبتِ عقلی کی جامعیت کی بنیاد پر پیش کرنا ہے۔''

www.ahnafia.org

بچوں کا کالم

چوہدری افضل حق رحمۃ اللہ علیہ

علم آدمی کا زیور ہے

(چوہدری افضل حقؒ آزادی کے عظیم رہنما تھے۔ اپنی قوم کی تعلیم و تربیت اور اَخلاقی معیار کی بلندی ہمیشہ ان کے پیشِ نظر رہی۔ ذیل میں ان کے اُن خطوط کی تلخیص شائع کی جارہی ہے، جو اُنھوں نے 1939ء میں راولپنڈی جیل سے اپنے بچوں کے نام لکھے۔ دراصل ان کے مخاطب قوم کے ہر دور کے نونہال ہیں۔ مدیر)

بقیہ گزشتہ مکتوب

ہمارے پاس اس جیل میں جتنے اَن پڑھ قیدی کام کے لیے لگائے جاتے ہیں، ہم کوشش کرتے ہیں کہ یہ لکھنا پڑھنا سیکھ لیں۔ اَن پڑھ آدمی گنوار کا لٹھ ہوتا ہے۔ علم آدمی کا زیور ہے۔ جہاں تک ہوسکتا ہے ہم انھیں علم کے زیور سے آراستہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ دوسرے ملکوں میں نیک لوگ اپنی زندگی کا مقصد یہی سمجھتے ہیں کہ بے علموں کو علم و تعلیم میں مدد دیں۔ یہاں ابھی عمدہ اَخلاق کی کمی ہے۔ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ دنیا کی ساری نعمتیں صرف ہمارے لیے ہوں۔ اس لیے اس ملک کی حالت خراب ہے۔ مسلمانوں میں دوسری قوموں کی نسبت علم اَور بھی کم ہے۔ حال آں کہ ہمارے پیارے رسولؐ نے حکم دیا کہ: ''علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان لڑکے لڑکی، مرد عورت پر فرض ہے۔'' بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ مسلمانوں نے لڑکیوں کی تعلیم کو غیر ضروری سمجھا ہوا ہے۔ حال آں کہ قوم کی قسمت کا سارا دارومدار لڑکیوں کی عمدہ تعلیم پر ہے۔

بچو! اگر تمھاری دادی تھوڑا بہت پڑھی لکھی نہ ہوتی اور ہماری تعلیم کے لیے جان نہ لڑا دیتی تو آج ہم دنیا میں بڑی ذلت کی زندگی بسر کرتے۔ خدا جانے کن بازاروں میں آوارہ پھرتے۔ راجپوتوں میں تو عورتوں کو علم پڑھانا قومی غیرت کے خلاف سمجھا جاتا تھا۔ بے چاری لڑکیاں بڑی بے قدری کی زندگی بسر کرتی تھیں۔ خیر! گھروں میں زمین داری تھی، گزارہ ہوتا گیا، مگر اب تو زمین داری بڑی تھوڑی رہ گئی ہے۔ اب اگر یہ لوگ اپنی تمام عادتوں کو نہ بدلیں گے، دنیا میں آرام حرام ہوجائے گا۔

بچو! اس جنگِ (عظیم دوم) کے بعد شاید دنیا اَور کی اَور (دوسری) نظر آئے۔ یہ جنگ بھی بڑی قیامت خیز ہے۔ ہوا میں چیلوں کی طرح جہاز اُڑتے ہیں۔ عقابوں کی طرح ایک دوسرے پر جھپٹتے ہیں۔ میلوں کی اونچائی سے لوٹ پوٹ ہوکر زمین پر گرتے ہیں۔ ہوائی جہاز چلانے والے نوجوان زمین پر گر کر قیمہ ہوجاتے ہیں۔ ان کا جسم چیل کوے کا من بھاتا کھاجا بن جاتا ہے۔ آئندہ تو وہ قوم دنیا میں سربلند رہے گی، جو بڑی ہوشیار ہوکر رہے گی۔ جس کے بچوں کا علم بہت زیادہ ہو اور جن کی صحت سب سے بہتر ہو۔۔

اسی طرح آئندہ معمولی سپاہی ایک ماہر مستری سے کم نہیں ہوگا۔ کیوں کہ فوج میں تو اب سارا مشین کا کام ہے، گھوڑے گاڑی کا کام نہیں۔ اس لیے عزیز بچو! اگر دنیا میں کام کرنا ہے تو ایک ایک منٹ کو قیمتی سمجھ کر اس کی قدر کرنا پڑے گی۔ بے کاری اور غفلت کی دنیا اب کہاں رہ سکتی ہے۔

تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات — مولانا مفتی عبدالقدیر، چشتیاں

عالمگیرؒ کی رعایا پروری اور غیر مسلموں سے حسن سلوک

اَورنگ زیب عالم گیرؒ کا عہد (1658ء تا 1707ء) ہندوستان کے اسلامی دور کا سنہرا دور ہے۔ اس دور میں ایک طرف علوم وفنون کی ترقی جاری تھی، دوسری طرف اَخلاقی اور سماجی رویوں میں بلند ہمتی، خدا خوفی، انسان دوستی اور رعایا پروری جھلک رہی تھی۔ سیاست میں امن و امان کا دور دورہ تھا۔ معاشی خوش حالی کے حوالے سے ہندوستان سونے کی چڑیا کہلاتا تھا۔ ہند و پاک کو اس بلند مقام تک پہنچانے میں عادل حکمرانوں کے ساتھ ساتھ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ سے پہلے اور بعد میں علماؒ اور صوفیائے کرامؒ کی تعلیم و تربیت اور اجتماعی محنتوں کا عمل دخل ہے۔

بہ طورِ مثال عالم گیری عہد کے درجِ ذیل چند واقعات ملاحظہ ہوں:

1۔ اَورنگ زیب عالم گیرؒ کے عہد میں امانت خاں اسم بامسمّٰی تھا۔ دکن کی دیوانی (محکمہ مال) کے زمانے میں اس نے اَورنگ آباد اور خاندیش کے مال گزاروں کو بارہ لاکھ روپے کا بقایا اپنے اختیارات سے معاف کردیا اور رعایا کی سقیم حالی (کمزور معاشی حالت) بادشاہ سے گوش گزار کی۔ بادشاہ نے اس کے انصاف اور اس کی دیانت داری کی تعریف کی۔ (تاریخ ہند، از مولوی ذکاءاللہ مرحوم)

2۔ ایک دفعہ ایک شخص نے اَورنگ زیب عالم گیرؒ کو اس مضمون کی عرضی دی کہ دو ایسے شاہی ملازموں کو جو تنخواہ تقسیم کرنے پر مقرر ہیں، بادشاہ اس بنا پر برخواست کردے کہ وہ کافر آتش پرست پارسی ہیں اور ان کی جگہ معتمد تجربہ کار مسلمانوں کو مقرر کرے۔

بادشاہ نے اس کے جواب میں لکھا کہ:

دنیاوی کاروبار میں مذہب کو دخل نہیں دینا چاہیے۔ اگر عرضی دہندہ کی بات پر عمل کیا جائے اور اس کو سلطنت کا دستور العمل بنایا جائے تو تمام غیر مسلم راجاؤں اور ان کی رعیت کا کہاں ٹھکانہ ہو؟ بادشاہی نوکریاں لوگوں کو ان کی لیاقت اور قابلیت کے موافق ملنی چاہئیں۔ (ناقابل فراموش واقعات۔ از محمد دین فوق)

ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ:

☆ ہمارے قومی شاہی دور میں بھی حکمرانوں اور گورنروں کے ہاں مالیہ کی وصولی محض عوام کی اجتماعی فلاح و بہبود کی خاطر ہوتی تھی۔

☆ انتظامیہ کے عہدے داران اپنی ذمے داریوں سے بہ خوبی آگاہ تھے اور انسانی بھلائی کے لیے آزادانہ اختیارات کا استعمال بلاتفریق کرتے تھے۔

☆ سماجی حقوق کی ادائیگی میں مذہبی فرقہ پرستی کی بجائے یہ سنہرا اُصول کہ ''عہدے اور نوکریاں لیاقت اور قابلیت کی بنا پر ہوتے ہیں۔''

☆ اورنگ زیب عالمگیرؒ کے خلاف ہندو مسلم مذہبی تعصب کے پروپیگنڈے کی کوئی بنیاد نہیں۔ یہ انگریز کی پالیسی ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' (divide & rule) کا شاخسانہ ہے، جس میں ہمارے سادہ یا ناعاقبت اندیش نام نہاد دانشور بھی مبتلا ہیں۔

www.rahimia.org

عظمت کے مینار

مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ

وسیم اعجاز، کراچی

ولی اللّٰہی تحریک میں حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ کو ایک امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ وہ 1875ء کو شاہ جہان پور کے محلّہ سن زئی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ عربیہ اعزازیہ شاہ جہان پور میں حاصل کی۔ مزید تعلیم کی غرض سے دیوبند تشریف لے گئے۔ دارلعلوم دیوبند میں ان کے اساتذہ میں شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، مولانا عبدالعلی میرٹھیؒ اور مولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ قابلِ ذکر ہیں۔ دارالعلوم دیوبند میں مولانا امین الدین اورنگ آبادیؒ، مولانا انور شاہ کشمیریؒ اور مولانا حسین احمد مدنیؒ وغیرہم حضرت مفتی صاحبؒ کے ہم جماعت تھے۔ 1897ء میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کر کے واپس اپنے شہر شاہ جہان پور آ گئے اور مدرسہ عین العلم میں تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ 1903ء میں مدرسہ امینیہ اسلامیہ دہلی میں صدر مدرّس اور مفتی کے عہدے پر فائز کیے گئے۔

حضرت مفتی کفایت اللہ دہلویؒ نے 1903ء میں فتنۂ قادیانیت کی تردید میں ماہانہ رسالہ ''البرہان'' جاری فرمایا، جس کے وہ خود مدیر تھے۔ 1905ء میں مدارسِ اسلامیہ کے اتحاد کی تحریک میں پیش پیش رہے۔ اس تحریک کو ازسرِ نو زندہ کیا۔ 1910ء میں ''انجمن اصلاح الکلام'' کے نام سے ایک مجلس قائم کی، جس کے تحت طلبا کو تقریر و خطابت کی تربیت دی جاتی تھی۔ اسی زمانے میں ''جمعیت الانصار'' کے ذیلی ادارے ''قاسم المعارف'' کے مقاصد کے تحت اتحاد اور تنظیم کے اصولوں پر نئے مراکز کے قیام کا آغاز ہو چکا تھا۔ مفتی صاحبؒ نے جمعیت الانصار سے تعلق کی بنا پر اس تحریک میں نمایاں کردار ادا کیا۔ 1911ء میں دارالعلوم دیوبند میں ہونے والے اجتماع ''جمعیت الانصار'' میں مدرسہ امینیہ سے بھی طلبا کی شرکت کروائی گئی۔ 1913ء میں جنگِ بلقان کے موقع پر تُرکوں کی امداد کے لیے فنڈ اکٹھا کرنے کے لیے مفتی صاحبؒ نے مدرسہ امینیہ کے اساتذہ اور طلبا کو ذمہ داریاں دیں۔ 1917ء میں حضرت شیخ الہندؒ و دیگر اسیرانِ کی رہائی کے لیے ''انجمن اعانتِ نظر بندانِ اسلام'' دہلی میں قائم ہوئی۔ حضرت مفتی صاحبؒ اس کے بانیوں میں سے تھے اور اس انجمن کے اشاعتی منصوبوں کے مشیر اور نگران بھی رہے۔ 1918ء میں انھوں نے حضرت شیخ الہندؒ کے سوانح اور ایامِ اسیری پر ایک رسالہ بھی تحریر فرمایا۔

1919ء میں جنگِ عظیم اوّل کے خاتمے پر حکومتِ برطانیہ نے فتح کا جشن منانے کا فیصلہ کیا تو مفتی صاحبؒ نے خلافت کمیٹی کانفرنس دہلی میں اس جشن کے بائیکاٹ کی تجویز پیش کی، جسے منظور کر لیا گیا۔ دسمبر 1919ء میں جب جمعیت علمائے ہند کا قیام عمل میں آیا تو مفتی صاحبؒ کو نائب صدر بنایا گیا اور صدارت حضرت شیخ الہندؒ کے لیے محفوظ رکھی گئی، جو اس وقت مالٹا میں نظر بند تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ کی وفات کے بعد جمعیت کے دوسرے اجلاس 1920ء میں میرِ کارواں کی حیثیت سے حضرت مفتی صاحبؒ کا انتخاب عمل میں آیا۔ ان کو جمعیت کی صدارت کے لیے منتخب کیا جانا ان کے سیاسی ذوق، کمالِ تدبر اور اس منصب کے لیے ان کی اہلیت و صلاحیت کو ملک کے اکابر علما کا خراجِ تحسین بھی تھا۔ حضرت مفتی صاحبؒ 1939ء تک اس منصبِ رہنمائی پر فائز رہے۔

مفتی صاحب نے خلافت کمیٹی اور تحریکِ خلافت میں سرگرمی سے حصہ لیا۔ 1920ء تک رولٹ ایکٹ کے جابرانہ قوانین کے خلاف اٹھنے والی تحریکِ ستیہ گرہ معروف ہو چکی تھی۔ جمعیت کے قیام سے قبل مفتی صاحبؒ نے اس میں بھرپور حصہ لیا۔ 1926ء میں مکہ مکرمہ میں عالم اسلام کے مطالبے پر بلائی جانے والی مؤتمر میں مفتی صاحبؒ کے علم و تدبر کا اثر تمام شرکا پر نقش ہو گیا، جس کا اعتراف عام طور پر کیا جاتا رہا۔

حضرت مفتی صاحبؒ 1930ء میں سول نافرمانی کی تحریک میں تقریر کرنے کی پاداش میں پہلی مرتبہ گرفتار ہوئے۔ 1932ء میں دوسری بار سول نافرمانی کی تحریک شروع ہوئی تو مفتی صاحبؒ کو پہلا ''ڈکٹیٹر'' بنایا گیا۔ گرفتاری عمل میں آئی تو 18 ماہ قید بامشقت کا حکم سنا کر ان کو ملتان جیل میں رکھا گیا۔ حکومتِ برطانیہ نے تحریک سے الگ رکھنے کے لیے ان پر دباؤ ڈالنے شروع کیے۔ حکومت نے وائسرائے کونسل کے ایک ممبر سر فضل حسین کے ذریعے سیاسی سرگرمیوں سے الگ رہنے کے لیے پیغام بھجوایا تو مفتی صاحبؒ نے اس سے کہا کہ: ''میں آزادیٔ وطن کی تحریک میں ذاتی منفعت کے لیے شریک نہیں ہوا۔ آپ کی پیش کش کا شکریہ۔ کوئی لالچ میرے ضمیر کی آواز کو نہیں دبا سکتا۔''

برطانیہ نے فلسطین کو تقسیم کر کے اس میں یہودیوں کی حکومت قائم کر دی تو عالمِ اسلام میں بے چینی پھیل گئی۔ اس سلسلے میں 1938ء میں قاہرہ میں منعقد ایک کانفرنس میں شریک ہو کر ہندوستانی مسلمانوں کے مؤقف کو بھرپور انداز میں اُجاگر کیا۔

حضرت مفتی اعظمؒ نے ایک بھرپور سیاسی زندگی گزاری، لیکن ان کی رہنمائی کا انداز دوسروں سے قطعاً مختلف تھا۔ کمیٹیوں اور مذاکروں میں حصہ لیتے۔ رپورٹیں مرتب کرتے۔ دستور بناتے۔ قواعد و ضوابط ترتیب دیتے۔ تجویزیں اور قراردادیں مرتب کرتے۔ فیصلوں پر تنقید فرماتے۔ سیاسی مسائل پر بحث فرماتے۔ سوالات کے جوابات لکھتے۔ اخبارات میں بیانات اور مراسلات دیتے۔ اندرون و بیرونِ ملک قومی اور ملّی کانفرنسوں میں سرگرم حصہ لیتے تھے۔ قصہ خوانی بازار پشاور کے واقعے کی تحریری رپورٹ پر بڑے بڑے رہنماؤں نے ان کے سیاسی شعور کو خراجِ تحسین پیش کیا۔ مسلمان تو مسلمان، غیر مسلم بھی ان کے تدبر اور بصیرت کے قائل تھے۔ ان کے رفقائے کار میں حکیم اجمل خانؒ، ڈاکٹر مختار احمد انصاریؒ اور مولانا محمد علی جوہرؒ شامل تھے۔ حضرت مفتی صاحبؒ ایک بلند پایہ سیاست دان تھے۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کی تربیت کا اثر تھا کہ ان کے فکر میں پختگی اور عمل میں استقامت پیدا ہوئی۔ ان کی تصانیف میں اصولِ اسلام، تعلیم الاسلام، کفایت المفتی کے علاوہ بے شمار رسائل شامل ہیں۔ عربی، فارسی اور اردو میں شعر کہے۔ ان کا شعری مجموعہ ''روض الریاحین'' قابلِ ذکر ہے۔

مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ زندگی کے آخری تین ماہ شدید علالت میں گزارنے کے بعد یکم جنوری 1953ء کو وفات پا گئے۔ ان کی تدفین دہلی میں حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کے احاطے کے قریب عمل میں لائی گئی۔

www.rahimia.org

تبرکاتِ شیخ الہندؒ — از مولانا سیّد مناظر احسن گیلانیؒ

محبتِ نبویؐ میں نفسانیت

بخاری شریف کا سبق ہو رہا تھا۔ مشہور حدیث گزری کہ: ''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا، جب تک مَیں اس کے والد، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے بڑھ کر اس کے نزدیک محبوب نہ ہوجاؤں''۔ (لا یؤمن احدکم حتیٰ اکون احبّ إلیه من والدهٖ و ولدهٖ و النّاس اجمعین) (بخاری، کتاب الایمان۔ حدیث نمبر 15)

فقیر ہی نے عرض کیا کہ: بحمداللہ! عام مسلمان بھی سرکارِ کائنات ﷺ کے متعلق محبت کی اس دولت سے سرفراز ہیں۔ جس کی دلیل یہ ہے کہ ماں باپ کی توہین کو تو ایک حد تک مسلمان برداشت کرلیتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ گالیوں کے جواب میں وہ بھی گالیوں پر اُتر آتا ہے، لیکن رسالتِ مآبؐ کی ہلکی سی سُبکی بھی مسلمانوں کو اس حد تک مشتعل کردیتی ہے کہ ہوش و حواس کھو بیٹھتے ہیں۔ آئے دن کا مشاہدہ ہے کہ جان پر لوگ کھیل گئے۔

سن کر حضرت (شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ) نے فرمایا: ''ہوتا ہے شک یہی ہے جو تم نے کہا، لیکن ایسا کیوں ہوتا ہے؟ تہ تک تمھاری نظر نہیں پہنچی۔ محبت کا اقتضا یہ ہے کہ محبوبؐ کی مرضی کے آگے ہر چیز قربان کی جائے، لیکن عام مسلمانوں کا جو برتاؤ آں حضرتؐ کی مرضیِ مبارک کے ساتھ ہے، وہ بھی ہمارے تمھارے سامنے ہے۔ پیغمبرؐ نے ہم سے کیا چاہا تھا اور ہم کیا کر رہے ہیں۔ اس سے کون ناواقف ہے۔ پھر سُبکی آپؐ کی، جو مسلمانوں کے لیے ناقابلِ برداشت بن جاتی ہے، اس کی وجہ محبت تو نہیں ہوسکتی۔''

خاکسار نے عرض کیا کہ: تو آپ ہی فرمائیں، اس کی صحیح وجہ کیا ہے؟

نفسیاتِ انسانی کے اس مبصر حاذق نے فرمایا کہ:

''سوچو گے تو درحقیقت آں حضرتؐ کی سُبکی میں اپنی سُبکی (اہانت) کا غیرشعوری احساس پوشیدہ ہوتا ہے۔ مسلمانوں کی خودی (self respect) اور اَنا (ego) مجروح ہوتی ہے کہ ''ہم جسے اپنا پیغمبر اور رسول مانتے ہیں، تم اس کی اہانت نہیں کرسکتے۔'' چوٹ درحقیقت اپنی اسی ''ہم'' پر پڑتی ہے، لیکن مغالطہ ہوتا ہے کہ پیغمبرؐ کی محبت نے انتقام پر ان کو آمادہ کیا ہے۔ نفس کا یہ دھوکہ ہے۔ اپنی جگہ ٹھنڈے دل سے جو غور کرے گا، اپنے طرزِ عمل کے تناقض (تضاد) کے اس نتیجے تک پہنچ سکتا ہے۔ بہرحال محبوب کی مرضی کی جسے پروا نہ ہو، اذان ہو رہی ہے اور لایعنی اور لاحاصل گپوں سے بھی جو اپنے آپ کو جدا کرکے مؤذن کی پکار پر نہیں دوڑتا، اسے انصاف سے کام لینا چاہیے کہ محبت کا دعویٰ اس کے منہ پر کس حد تک پھبتا ہے۔''

حضرت والا (شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ) کی تقریر کا یہی خلاصہ تھا۔ ظاہر ہے ندامت اور شرمندگی کے ساتھ سر جھکا لینے کے سوا ان کی اس نفسیاتی تنبیہ کے بعد میرے لیے کچھ اَور پوچھنے کی گنجائش ہی کیا باقی رہی تھی۔

(احاطۂ دارالعلوم میں بیتے ہوئے دن۔ صفحات: 153 تا 155۔ طبع: مکتبہ حمادیہ، کراچی)

دینی مسائل

اس صفحے پر قارئین کے سوالات کے جوابات دیے جاتے ہیں!

از جناب مولانا مفتی عبدالقدیر شعبہ دارالافتا ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

سوال کیا موبائل پر قرآن پاک پڑھنے اور چھونے کے لیے وضو کرنا ضروری ہے؟

جواب قرآن پاک کی تلاوت بغیر وضو جائز ہے، البتہ وضو کرلینا افضل ہے۔ موبائل فون پر قرآن پاک چھونے کے لیے وضو کرلینا بہتر ہے۔

سوال کیا زکوٰۃ کی رقم مستحق مریضوں کے علاج پر خرچ کی جاسکتی ہے؟ محمد اکرم، لاہور

جواب زکوۃ کی رقم سے مستحق مریضوں کو دوا لے کر دی جاسکتی ہے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ زکوٰۃ کی رقم خود مریض کی ملکیت کردی جائے۔

سوال زکوٰۃ کے اصل مصارف کیا ہیں؟ اور مستحقین کون لوگ ہیں؟ ضیاء الدین، پشین

جواب زکوٰۃ کے مصارف: فقرا، مساکین، جو زکوٰۃ کے اموال میں سے کسی بھی قسم کے نصاب کے مالک نہ ہوں، نہ سونا چاندی سے، نہ سامانِ تجارت سے، نہ سال بھر کی ضرورت سے زائد غیر سامانِ تجارت سے۔ حکومت کی طرف سے مقرر کردہ عاملین (زکوٰۃ وصول کرنے والا عملہ)۔ مسافر، جن کے پاس دورانِ سفر نصاب کی بقدر ملکیت نہ ہو اگرچہ گھر میں نصاب کے مالک ہوں۔ مقروض لوگ اور دین کی سربلندی کے لیے جدوجہد کرنے والے زکوٰۃ کے مستحقین میں شامل ہیں۔

سوال اگر موبائل ایس ایم ایس کے ذریعے طلاق بھیجی جائے تو طلاق ہوجاتی ہے؟

جواب اگر تصدیق ہوجائے کہ خاوند نے ہی ایس ایم ایس کے ذریعے طلاق بھیجی ہے تو یہ طلاق واقع ہوجائے گی اور ایس ایم ایس کے لکھنے اور کرنے کے وقت سے واقع شمار ہوگی۔

سوال ہمارے ہاں فون کمپنیز آئے روز غیر متوقع انعامات دیتی رہتی ہیں۔ ان انعامات کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا یہ انعامات لینا جائز ہیں؟ محمد جاوید، بہاول پور

جواب عموماً یہ انعامات جُوّے کی شرط کے ساتھ ہوتے ہیں اور دھوکہ دہی سے استحصال کیا جاتا ہے۔ مثلاً یہ کہ آپ اتنی رقم بھیجیں تو آپ کو قرعہ اندازی میں شامل کی جائے گا یا یہ کہ آپ کے نام قرعہ میں مثلاً پانچ لاکھ نکلے ہیں آپ اتنا بیلنس بھیجیں۔ اس طرح دھوکہ دہی سے اصل رقم بھی بٹور لی جاتی ہے، لہٰذا احتراز کرنا چاہیے۔

بقیہ: اولیائے کرام کا طریقۂ تعلیم و تربیت

ایک کامل نظریۂ حیات کی بنیاد پر تشکیل پانے والا نظامِ تعلیم و تربیت ان تمام سوالات کی تشفی کرنے پر قادر ہوتا ہے، جو تعمیرِ شخصیت کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔ اولیاء اللہ اور علمائے ربانیین کے اس طریقۂ تربیت میں آغاز ہی تصحیحِ نیت سے ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی صورت میں ایک اعلیٰ ترین مقصد پیشِ نظر رکھ دیا جاتا ہے۔ اسی اعلیٰ مقصد کی بنیاد پر شعوری تربیت ایک واضح نکتہ نظر اور احساسِ ذمہ داری پیدا کرتی ہے اور ایک نوجوان زندگی کے تمام دائروں (ذاتی، خاندانی، قومی و انسانی) کے حقیقی تقاضوں کا ادراک کرنے اور اس کے مطابق اپنا کردار ادا کرنے کے لیے تیار ہوجاتا ہے۔

www.rahimia.org

مدیرِ اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع و ناشر نے اے۔ جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہ نامہ ''رحیمیہ'' رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ لاہور سے جاری کیا۔